# سامراج کی غلامی

محمد مظاہر

۱۔ غلامی کی تین قسمیں ہیں جسمانی غلامی جو بیسویں صدی میں تقریباً ختم ہو چکی ہے مگر کہیں کہیں اس کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ دوسری قسم باضابطہ فہرست (Indentured) والی لیبر غلامی تھی جو (۱۸۲۶ء۔۱۹۲۹ء) تک موجود رہی تیسری قسم سامراج یا استعمار کی فکری غلامی ہے۔ جسمانی غلامی کو کمپنی حکومت نے ۱۸۴۳ء میں ختم کرنے کا آغاز کیا مگر آخرالذکر فکری/ذہنی غلامی جو اٹھارہویں صدی کے آخری دنوں میں شروع ہوئی تھی وہ اب بھی موجود اور جاری ساری ہے۔ چونکہ اس کی شناخت دشوار ہے اس لئے نجات مشکل تر ہے تاہم اکیسویں صدی میں ہمیں کبھی کبھی اس سے نکلنے کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً بھارتی وزیر جنگ جارج فرنانڈس جب 9/11 کے واقعے کے بعد براستہ نیویارک میکسیکو جا رہے تھے تو بھارتی سفیر کے جتانے کے باوجود موصوف کی JFK پر تعینات عملے نے ایئرپورٹ پر جامہ تلاشی لی۔
چند برس کے بعد جب امریکی نائب وزیر خارجہ مسٹر آرمیٹیج دہلی کے ایئرپورٹ پالم پر اترے تو جامہ تلاشی کے بہانے ان کو مادرزاد ننگا کر دیا گیا۔ ان کی اعلیٰ ظرفی کہ انہوں نے دہلی میں پہلا کام یہ کیا کہ سابق وزیر دفاع کے گھر جا کر نیویارک ایئرپورٹ کے حکام کے رویے پر معافی مانگ لی یا جیسے بنگلہ دیش میں بنگلہ کو سرکاری زبان بنایا جا چکا ہے۔ مذکورہ غلامی کیسے سرایت کر گئی اور ہم پر کس طرح مسلط ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

۲۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ہم ہندوستان کو اس وقت تک کیسے فتح کر سکتے ہیں جب تک ہم ان کے روحانی اور سماجی ورثے کو تہس نہس نہیں کر دیتے۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ ان کے قدیم نظام تعلیم اور تہذیب و تمدن کے قاعدوں اور سانچوں کو بے دست و پا کر دیا جائے۔ جب ہندوستانیوں کو یہ احساس ہونے لگے گا کہ انگریزی زبان ان کے لئے مفید ہے تو وہ بلا کہے اپنے تمدن اور تہذیب سے کنارہ کش ہونے کے ساتھ ساتھ عزت نفس سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

3. I do not think we will be able to conquer India unless we break their spiritual and social heritage. Therefore I propose that their old system of education and norms of culture should be drastically cut down. when the Indians start to realise that the English language is good for them, they will automatically lose their culture and self respect".

Lord Macaulay, British parliament 2-2-1835.

۴۔ ”نشاۃ ثانیہ (Renaissance) سے شروع ہونے والی ہماری بالادستی کا سبب جزواً سائنس اور سائنسی ہنرمندی رہی ہے اور جزواً سیاسی اداروں کا فروغ ہے جو قرون وسطیٰ سے چیونٹی کی رفتار سے سفر کر کے پایہ تکمیل کو پہنچے ہیں۔ ہمیں اشیاء کی فطرت میں ایسی کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی جس سے مذکورہ بالادستی طول پکڑ سکے۔ ان دنوں لڑی جانے والی جنگ میں سوویٹ یونین، چین اور جاپان نے عظیم عسکری قوت دکھائی ہے۔ مغربی طاقتوں کی جملہ حربی ہنرمندی اور مشرقی تکنیکی صلاحیت جس میں بازنطینی، کنفیوشس کی دانائی اور شنتو سب شامل ہیں۔ ہندوستان اگر آزاد ہو جاتا ہے تو وہ بھی مشرقی دھنک میں ایک اور اضافہ کرے گا۔ یہ بات کوئی خلاف توقع نہ ہوگی جب اگلی چند صدیوں میں، اگر تہذیب تباہ ہونے سے بچ گئی تو وہ مقابلتاً تنوع کی کہکشاں ہوگی جس کے آگے نشاۃ ثانیۂ تہذیب ہیچ لگے گی۔“
”تہذیب بھی سامراج کی ایک قسم ہے جسے ’حکمراں سامراج‘ کے مقابلے میں مغلوب کرنا کہیں دشوار ہوتا ہے۔ مغربی سلطنت کے زوال کے کافی عرصے بعد۔ یہاں تک کہ اصلاح دین کا زمانہ آ گیا۔ تمام یورپی تمدن سامراجی رومن ایمپائر کی بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ مغربی یورپی سامراج جو آج ہم کہلاتے ہیں اسی میں بسے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں موجودہ جنگ کے خاتمے پر اس دنیا میں اگر ہم چونچال رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایشیا کو اپنے دلوں میں جگہ دینی پڑے گی جو نہ صرف سیاسی ہو بلکہ تمدنی اور تہذیبی بھی ہونا چاہئے۔ یہ شعار اپنے جلو میں کیا تبدیلیاں لائے گا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ مذکورہ تبدیلیاں متنوع اور تہ و بالا کرنے والی اور عظیم اہمیت کی حامل ہوں گی۔“

5. "Our superiority since the Renaissance is due partly to science and scientific technique, partly to political insitutions slowly built up during the Middle Ages. There is no reason, in the nature of things, why this superiority should continue. In the present war, great military Strength has been shown by Russia, China and Japan. All these combine Western technique with Eastern ideology—Byzantine, Confucian, or shinto. India, if liberated, will contribute another oriental element. It seems not unlikely that during the next few centuries, civilization, if it survives, will have greater diversity than it has had since the Renaissance. There is an imperialism of culture which is harder to overcome than the imperialism of power. Long after the westren Empire fell— indeed untill the Reformation— all European culture retained a tincture of Roman imperialism. It now has, for us, a west European imperialistic flavour. I think that, if we are to feel at home in the world after the present war, we shall have to admit Asia to equality in our thoughts, not only politically, but culturally. What changes this will bring about, I do not know, but I am convinced that they will be profound and of the greatest importance." Bertrand Russell(History of Western Philosphy P-395- 1946)

۶۔ یہ کوئی پرانی بات نہیں ہے جب روئے زمین پر دو ارب باشندے بستے تھے۔ جن میں پچاس کروڑ تو انسان تھے اور ایک ارب پچاس کروڑ دیسی لوگ، اول الذکر کے پاس الفاظ اور گویائی تھی دیگر محض طوطے تھے۔ ان کے درمیان زر خرید خطاب یافتہ نائیٹس، سرداروں کے سردار اور امراء کا طبقہ تھا جو سرتا پا بہروپیے ہوتے جو بیچ کے ثالث والوں کے فرائض انجام دیتے۔ نوآبادیوں میں سچ یا حق برہنہ استادہ ہوتا۔ مگر ان خطوں میں جہاں انسان بستے تھے وہ حقائق ملبوس دیکھنے کو ترجیح دیتے۔ لیکن دیسی لوگوں پر لازم تھا کہ وہ ان سے محبت کریں۔ بالکل اسی طرح جیسے لوگ ماؤں کو چاہتے ہیں۔ ژاں پال سارتر۔ ۱۹۶۱ء۔ مندرجہ ذیل کتاب کا پیش لفظ۔

**7.** "Not so very long ago, the earth numbered two thousand million inhabitants, five hundred million men, and one thousand five hundred million natives. The former had the word, the others had the use of it, Between the two there were hired knights, over Lords and bourgeoisie, sham from begining to end, which surved as go—between. In the colonies the truth stood naked but the citizens of the mother country perfered it with cloths on: The natives had to love them, some thing the way mothers are loved." (preface to "Les de la terre" 1961)

۸۔ ''اس صورت حال کے مقابلے میں مقامی باشندوں کا ردعمل یکساں نہیں ہوتا۔ ایک جانب عوام کا انبوہ مربوط روایات پر قائم رہتا ہے جو استعماری حالت سے بالکل مختلف ہوتی ہے اور دستکاری کے اسلوب جامد ہو کر رسمیت اور یکسانیت کا شکار ہو جاتے ہیں مگر دوسری طرف دانشور مجنونانہ انداز میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ قابض قوت کی تہذیب اپنانے میں لگ جاتا ہے اور خود اپنی تہذیب پر معاندانہ تنقید کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتا یا پھر اسی تہذیب کے دعوؤں کو یکجا کرنے اور ان کی پیشکش میں لگ جاتا ہے جو جذباتی ہونے کے باوجود بڑی تیزی سے غیر تخلیقی اور بنجر ہوتی جاتی ہیں۔''

مندرجہ بالا کتاب کا ترجمہ: (افتادگان خاک۔ ص۔ ۲۱۳) ۔ فرانز فینن (اینگلز کے بعد فینن پہلا شخص ہے جس نے تاریخ کی حرکت کو دن کی واضح روشنی بخشی ہے) ۔ سارتر

۹۔ ''ہماری فوجوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کو ''بالاتر بندروں'' کے درجہ پر پہنچا دیا جائے تا کہ نوآباد کار کا ان سے بار برداری کرانا جائز قرار دیا جا سکے نوآبادیات میں تشدد کا استعمال محض اس لئے نہیں ہوتا کہ غلاموں کو ایک فاصلے پر رکھا جائے۔ بلکہ مدعا یہ ہوتا ہے کہ ان کی انسانیت ختم کر دی جائے اس بات کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ ان کی روایات کو مٹا دیا جائے۔ ان کی زبان کی جگہ اپنی زبان رائج کی جائے اور ان کی تہذیب کو اپنی تہذیب دیئے بغیر برباد کر دیا جائے۔''

پیش لفظ: افتادگان خاک۔ ص۔ ۱۴۔ ژاں پال سارتر، ۱۹۶۱ء۔

۱۰۔ ''خبر یہ ہے کہ برطانیہ کے دو سرکردہ سفارت کار ضلع راولپنڈی کے علاقے مندرا میں ایک ڈیم کے قریب جاسوسی کی سرگرمیوں میں ملوث پکڑے گئے لیکن بعد میں وزارت داخلہ کے حکم پر چھوڑ دیا گیا اور یہ رہائی کسی سفارت کار کے لئے مخصوص پورے پروٹوکول کے ساتھ عمل میں آئی۔ ان کی گرفتاری سے پہلے ان کے قبضے سے جاسوسی کے آلات جن میں کیمرے اور نگرانی والے آلات تھے پکڑے گئے۔ ان سے پوچھ گچھ کرنے پر انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ دونوں برطانوی ہائی کمیشن کے سرکردہ افسر تھے۔ ان سے جب مزید پوچھا گیا تو انہوں نے پاکستانی پولیس والوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ ہم نے آپ کو آزادی دی تھی مگر ہم ابھی تک آپ کے آقا ہیں۔ بعد میں وزارت داخلہ حرکت میں آئی اور یہ باعزت رہا کر دیئے گئے ان کی بات سچ نکلی۔'' (روزنامہ ایکسپریس کراچی۔ منگل۔ ۱۴ دسمبر۔ ۲۰۱۰ء)

۱۱۔ انسان اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا جب تک وہ جبر و استبداد کی ماہیت اور کیمیا کو نہ سمجھ لے۔ حوالہ شروع۔

''خلیل جبران کہتا ہے کہ جسے تم آزادی کے نام سے پکارتے ہو وہ دنیا کی زنجیروں میں سب سے زیادہ مضبوط ایک زنجیر ہے اس کی کڑیاں سورج کی روشنی میں چمکتی ہیں اور وہ تمہاری نظروں کو خیرہ کرتی ہیں تو پھر وہ کیا چیز ہے جس کو ترک کر کے تم آزاد ہو سکتے ہو؟ وہ تمہارے ہی وجود کے چند ٹکڑے ہیں۔ اگر زندگی کا وہ قانون جس کو تم منسوخ کر کے آزاد ہونا چاہتے ہو جو غیر منصفانہ ہے اور چاہتے ہو کہ تم اس سے آزاد ہو جاؤ تو یہ بھی یاد رکھو کہ وہ قانون تمہارا ہی مرتب کیا ہوا ہے اور تم ہی نے خود اس کو اپنی پیشانی پر لکھا تھا۔ تم محض قانون کی کتابوں کو آگ لگا کر قانون کو نہیں مٹا سکتے۔ نہ تم اپنے حاکموں کی پیشانیوں کو دھو کر جو کچھ ان پر لکھا ہے اسے مٹا سکتے ہو۔ خواہ تم پیشانیوں کے ان نقوش پر ساتوں سمندر بہا دو اور اگر تم اس بادشاہ کو تخت سے اتارنا چاہتے ہو جو خود تخت گیر اور ظالم ہے تو پہلے اس کی فکر کرو کہ اس بادشاہ کا وہ تخت جو تمہارے دل کے اندر قائم ہے اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکے! اس لئے کہ کوئی ظالم حاکم، اپنی آزاد اور آزادی کی طالب یا آزادی پر فخر کرنے والی رعایا پر حکومت نہیں کر سکتا جب تک کہ خود رعایا کی آزادی میں ظلم کے عناصر کی آمیزش نہ ہو۔'' حوالہ ختم۔

ناول ''النبی'' سے اقتباس۔

شکریہ: مورخہ ۱۲۔۶۔۲۰۱۲